فیصلے کی صلیب

اسماء قادری

فیصلے کی صلیب

اسما قادری

''بجلی اور گیس کے بل آئے رکھے ہیں بیٹا، جلدی جمع کروادو تو بہتر ہے ورنہ آخری تاریخ پر بہت رش ہوجاتا ہے۔'' عابدہ بیگم نے چائے کی پیالی اس کے آگے رکھتے ہوئے یاددہانی کروائی۔

''جی امی، ایسا کریں کہ ابھی مجھے دے دیں، میں لنچ ٹائم میں جمع کروادوں گا۔'' اس نے فرمانبرداری سے جواب دیا تو عابدہ بیگم دل ہی دل میں اس کی بلائیں لینے لگیں۔ گرے پینٹ پر اسکائی بلو

WWW.PAKSOCIETY.COM

لائننگ والی شرٹ پہنے، قرینے سے بال سنوارے وہ آفس جانے کے لیے بالکل تیار تھا کچھ شکل، صورت بھی اچھی تھی اس لیے اس تیاری کے ساتھ بہت ہی ہینڈسم لگ رہا تھا پھر جب دیکھنے والی نظر ماں کی ہو اور وہ بھی اپنے فرمانبردار بیٹے کو تو زبان سے ماشاء اللہ نکلنا تو لازم تھا۔ ان کے زیرِ لب کہے ماشاء اللہ کو عادل نے تو نہیں سنا لیکن اس کے ساتھ ہی ناشتے میں مصروف خلیل صاحب کے کانوں تک ضرور ان کی آواز پہنچ گئی وہ بہت شوخی سے مسکراتے ہوئے بولے۔

”میرا بیٹا بالکل مجھ پر گیا ہے، جوانی میں میری والدہ بھی مجھے تیار دیکھ کر ایسے ہی ماشاء اللہ کہا کرتی تھیں۔“

”اللہ جانے آپ کن وقتوں کا ذکر کر رہے ہیں، میری نظروں نے تو آپ کی ایسی خوب صورتی کا کبھی نظارہ نہیں کیا کہ زبان سے ماشاء اللہ نکل سکے۔“ حسبِ توقع عابدہ بیگم نے منہ بنا کر ان کی مخالفت کی اور مزید بولیں۔ ”عادل تو بنا بنایا اپنے چھوٹے ماموں کی کاپی ہے۔ اس کی عمر میں وہ تھا ایسا بانکا سجیلا کہ ہم بہنیں اور اماں قدم قدم پر اس کی بلائیں لیتی تھیں۔“

”چھوڑیں بھی بیگم، آپ کا بھائی کہاں سے میرے بیٹے جیسا خوب صورت ہو گیا۔ اتنا گہرا سانولا تو رنگ ہے اس کا۔“ خلیل صاحب نے مزے سے توس پر مکھن لگاتے ہوئے انہیں چھیڑا۔

”ارے وہ تو بعد میں ٹائیفائڈ سے اس کا رنگ جل گیا تھا ورنہ ایسا سجیلا تھا میرا بھائی کہ لڑکیاں پٹاپٹ گرتی تھیں اس پر۔“ عابدہ بیگم نے جلبلا کر جواب دیا۔

”خوف سے گر جاتی ہوں گی بے چاریاں۔“ خلیل صاحب باز نہ آئے۔

”آپ اپنے تجربے نہ بیان کریں۔“ انہوں نے بھی ترت جواب دیا۔ عادل مسکراہٹ دبائے چائے پیتے ہوئے ماں، باپ کی جھڑپ سنتا رہا۔ دونوں میں محبت بہت تھی لیکن خلیل صاحب کے چھیڑنے کی عادت کی وجہ سے اکثر و بیشتر ایسی چھ موٹی جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔

”اچھا بھئی...... اللہ حافظ میں چلتا ہوں، آ دونوں کا تو کسی نتیجے پر پہنچنا مشکل ہے۔“ اس چائے ختم ہو گئی تھی اس لیے وہ میز پر سے بل بائیک کی چابی اٹھاتے ہوئے بولا۔

”جاؤ بیٹا فی امان اللہ۔“ عابدہ بیگم جھگڑا بھ بھال بیٹے کی طرف متوجہ ہوئیں اور اسے رخصت کرنے اس کے پیچھے ہو لیں۔

ان کا معمول تھا کہ بچے گھر سے باہر جاتے انہیں دروازے تک ضرور رخصت کر کے آتیں۔ بھی صرف دو ہی تھے ایک عادل، دوسری چھوٹی ...... عادل پڑھائی سے فارغ ہو کر ایک کوریئر میں ملازمت کر رہا تھا جبکہ انیلا بی اے کے فائنل میں تھی۔ وہ اپنے چھوٹے سے خاندان کے ساتھ اطمینان سے اپنے معمولات انجام دیتی خاصی آ زندگی گزار رہی تھیں۔ خلیل صاحب کا ایک چھوٹا جنرل اسٹور تھا جس کی آمدن سے اس مختصر کنبے کا خوبی گزارہ ہو جاتا تھا۔ طرزِ زندگی میں بہت زیادہ نمائش کا دخل نہ ہونے کے باعث بھی کافی آسا تھی۔ البتہ جب سے انیلا بڑی ہوئی تھی گھر کے ما میں تھوڑی بہت تبدیلی آئی تھی۔ کچھ ٹی وی کی بدو اور کچھ اپنی باحیثیت سہیلیوں کو دیکھ کر انیلا نے گھر کئی ایسی اشیا کا اضافہ ضروری قرار دیا تھا جن کے پہلے بنا کسی پریشانی کے گزارہ ہو رہا تھا۔ حیرت طور پر عابدہ بیگم اس موقع پر بیٹی کی ہمنوا بن گئی تھیں اس کے لیے ان کی یہ دلیل تھی کہ جوان بچی گھر میں رشتے کے لیے آنے والے لڑکی کے ساتھ ساتھ بھی دیکھتے ہیں۔ اس لیے گھر میں کچھ تبدیلیاں بہتر ہے۔ ان کچھ تبدیلیوں پر اچھی خاصی رقم خرچ تھی لیکن خلیل صاحب نے یوں اعتراض نہیں کیا کفایت شعار بیگم نے پہلی بار فضول خرچی کی

اختیار کی تھی اور اس میں بھی ان کی ذاتی خواہش سے زیادہ بیٹی کی پسند اور مفادات کا دخل تھا۔

”عادل بیٹا جاتے ہوئے رقیہ سے بھی پوچھ لینا کہ کہیں اسے تو بل وغیرہ جمع نہیں کروانا، تم ان کا بھی بل جمع کروا دو تو اچھا ہے ورنہ اس بے چاری کو بعد میں دھکے کھانا پڑیں گے۔“ ماں سے دعائیں لے کر عادل نے سیڑھیوں کی طرف قدم ہی بڑھائے تھے کہ پیچھے سے انہوں نے اس سے کہا۔

”جی اچھا امی، میں معلوم کرلوں گا۔“ اس نے حسبِ معمول فرمانبرداری سے جواب دیا لیکن اس بار اس فرمانبرداری میں اس کے دل کی خوشی بھی شامل تھی۔

رقیہ آنٹی ان سے ایک فلور نیچے ہی رہتی تھیں۔ وہ ایک بیوہ خاتون تھیں جنہیں قدرت نے تین بیٹیوں اور ایک بیٹے سے نوازا تھا لیکن قسمت کی ستم ظریفی سے ان کا بیٹا بہت کم عمری میں ہی نشے کا عادی ہو گیا۔ سر پہ باپ موجود ہوتا تو کچھ دیکھ بھال اور سختی کرتا۔ رقیہ بے چاری تو بس آٹھ آٹھ آنسو رو کر اور بیٹے کی منت ترلے کر کے ہی رہ جاتیں یا اس امید پر دعائیں کرتی رہتیں کہ کبھی تو وہ سُدھرے گا لیکن ایک روز یہ امید بھی ٹوٹ گئی۔ ان کا اکلوتا بیٹا شاہ زیب ایک رات گھر سے گیا تو زندہ واپس نہ آیا۔ بتانے والوں نے بتایا کہ شاہ زیب اور اس کے دو ساتھی بلڈنگ کی چھت پر بیٹھ کر کوئی نئے قسم کا نشہ ٹرائی کر رہے تھے۔ جانے وہ کس قسم کا نشہ تھا کہ منشیات کے عادی وہ لڑکے بھی اسے برداشت نہیں کر سکے اور ان کی حالت غیر ہو گئی یہاں تک کہ وہ اس قابل بھی نہ رہے کہ کسی کو اپنی مدد کے لیے ہی پکار سکتے۔ صبح جب بلڈنگ کا چوکیدار پانی کا وال کھولنے اوپر چڑھا تو اس نے تینوں لڑکوں کی ابتر حالت دیکھ کر شور مچا دیا۔ فوراً ہی ایمبولینس منگوائی گئی اور تینوں کو اسپتال لے جایا گیا۔ باقی دونوں لڑکے تو طبی امداد ملنے پر بچ گئے لیکن شاہ زیب جو ان میں سب سے کم عمر اور کمزور تھا اپنی جان کی بازی ہار گیا، اس کی موت نے رقیہ کو ادھ موا کر دیا۔ بیٹا جیسا بھی تھا زندہ تھا تو انہیں آس تھی کہ کبھی نہ کبھی سُدھر کر ان کے بڑھاپے کا سہارا بنے گا۔ بیوگی کے سخت شب و روز جو وہ میاں کے ادارے سے ملنے والی پنشن اور اپنی سلائی کی مشین کی دن رات کی محنت کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کاٹ رہی تھیں اور بھی دشوار ہو گئے اور دیکھنے والوں کو یوں لگا کہ جیسے بیٹے کے بعد رقیہ کسی طور سنبھل نہیں پائیں گی۔ ان حالات میں بلڈنگ کے تقریباً سارے ہی لوگوں نے ان کی اشک شوئی کی کوشش کی خصوصاً عابدہ نے تو اس خاندان کا بہت خیال رکھا اور رقیہ کو یہ سمجھانے میں کامیاب رہیں کہ بے شک جوان بیٹے کی موت کا غم بہت بڑا ہے لیکن تین جوان بیٹیوں کی ماں ہونے کے ناتے وہ اس غم میں جوگ لے لینے کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ انہیں اپنی بیٹیوں کو زمانے کے سرد گرم سے بچانے کے لیے ہمت کرنی ہو گی۔ ان کے مستقل سمجھانے بجھانے پر رقیہ نے کسی نہ کسی طور خود کو سنبھال لیا۔ دوسری طرف عابدہ بھی مسلسل ان کی خبر گیری کرتی رہیں۔ اس خبر گیری میں رقیہ کے گھر کے بیرونی کام اپنے بیٹے سے انجام دلوانا بھی شامل تھا۔ نیک طبیعت بیٹا کچھ انسانی ہمدردی کے ناتے اور کچھ دل کے کہنے پر یہ ڈیوٹی بخوشی انجام دے رہا تھا۔ اب بھی اس نے دل ہی دل میں دعائیں مانگتے ہوئے رقیہ کے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھلتے ہی وہ سرشار ہو گیا کہ سفید لباس میں ملبوس، سر پر دوپٹا جمائے منیبہ اس کے سامنے کھڑی تھی...... بڑی بڑی آنکھوں والی منیبہ جو بالوں کو سیدھی مانگ نکال کر سنوارتی تھی، اپنی سادگی کے ساتھ اسے بہت اچھی لگتی۔ اس نے کبھی میک اپ کے نام پر اس کی آنکھوں میں کاجل کی لکیر تک نہیں دیکھی تھی۔ اس وقت بھی وہ صاف ستھرے یونیفارم میں دُھلے چہرے کے ساتھ کالج جانے کے لیے تیار تھی۔ کالج میں

پڑھنے والی اپنی ہم عمر لڑکیوں کی طرح اس کے چہرے پر شوخی کے بجائے ہر وقت ایک گہری سنجیدگی طاری رہتی۔ عادل اس کے اس روپ کو پسند کرنے کے باوجود کبھی کبھی اس کے لیے اداس ہو جاتا تھا کہ وہ بے چاری حالات کے ہاتھوں اس بری طرح گھٹ گئی تھی کہ مسکرانا ہی بھول گئی۔ ورنہ وہ روز صبح آفس جاتے ہوئے دیکھتا ہی تھا کہ لڑکیاں کس طرح بن سنور کر شوخ تتلیوں کی طرح تعلیمی اداروں کا رخ کرتی تھیں۔ خود اس کی اپنی بہن انیلا بھی عابدہ بیگم کی کڑی نظر کے باعث شوخ میک اپ نہ سہی آئی لائنر اور فیئر اینڈ لولی کا استعمال تو ضرور کرتی تھی یہاں پر اس کا بھی نام و نشان نہیں تھا اس کے باوجود اس کی نظریں منیبہ کے چہرے سے ٹکراتی تو واپس پلٹنا بھول جاتی تھیں۔ اس وقت بھی کچھ ایسا ہی ہوا آخر اس کی نظروں سے خائف منیبہ کو ہی کھنکھار کر اسے اس بے خودی کی کیفیت سے نکالنا پڑا۔

''وہ...... میں آنٹی سے پوچھنے آیا تھا کہ اگر بل جمع کروانے ہوں تو دے دیں، میں اپنے بلوں کے ساتھ جمع کروا دوں گا۔'' اس نے خود کو سنبھال کر جلدی سے آمد کا مقصد بیان کیا۔

''جی اچھا...... میں امی سے کہتی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے اندر چلی گئی اور رقیہ آنٹی بلوں کے ساتھ مطلوبہ رقم لے کر دروازے پر آ گئیں۔

''باہر کیوں کھڑے رہے بیٹا اندر آ جاتے۔'' اس کے سلام کا جواب دینے کے بعد اسے بل اور پیسے تھماتے ہوئے انہوں نے شفقت سے کہا۔

''بس آنٹی آفس جانا ہے، ذرا جلدی میں ہوں بعد میں کسی دن امی کے ساتھ آؤں گا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے خوش خلقی سے جواب دیا۔ پرانی محلے داری کے باوجود اس کا ان لوگوں کے گھر بے دھڑک آنا جانا نہیں تھا۔ عام طور پر وہ دروازے پر کھڑے کھڑے ہی کام کی بات کر لیتا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ خود رقیہ آنٹی نے ابھی اس سے جو بات کہی ہے محض تکلفاً ہی کہی ہے ورنہ گھر میں جوان بیٹیوں کی موجودگی کی وجہ سے وہ خود بھی احتیاط کرنا ہی کرتیں لہٰذا ان کی رواداری کے جواب میں خود رواداری کا مظاہرہ کرتا ہوا وہاں سے رخصت ہو گیا۔ یہ اور بات کہ صبح صبح ہونے والے منیبہ کے دیدار اس کی طبیعت میں سرشاری سی بھر دی تھی اور وہ خوش اور مگن سا آفس کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔

☆☆☆

''سوچ رہی ہوں تمہارے لیے لڑکی ڈھو شروع کر دوں۔ تعلیم سے فارغ ہو گئے ہو اور جاب مناسب ہے اس لیے اب تمہاری شادی کر د چاہیے۔'' وہ سب شام کی چائے پی رہے تھے جب عا بیگم نے روئے سخن اس کی طرف کر کے یہ بات کہی۔

''زبردست آئیڈیا ہے امی! بھائی کی شادی ہو تو کتنا مزہ آئے گا۔ میں ڈھیر سارے نئے کپڑے بناؤں گی اور اپنی سہیلیوں کو انوائٹ کروں گی۔'' نے سب سے پہلے ماں کے خیال کی تائید کرتے ہو اپنے ارادوں کا اظہار کرنا ضروری سمجھا۔

''اسے کہتے ہیں ابھی گاؤں بسا نہیں لٹیرے پہلے آ گئے۔ تمہارے ڈھیر سارے کپڑوں اور ڈھ ساری سہیلیوں کے بھگتانے کے بعد مجھ غریب پاس بچے گا ہی کیا کہ میں بیوی کا ٹنٹا پال سکوں۔ میں کہتا ہوں کہ چھوڑو بلی چوہا لنڈورا ہی بھلا۔'' انیلا پروگرام سن کر اس نے باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگا ہوئے کہا۔

''دیکھ رہی ہیں امی بھائی کو...... شادی ہو دور کی بات صرف شادی کا ذکر ہی ہوا ہے تو بھائی اپنی نظریں پھیر لی ہیں۔'' انیلا نے فوراً ٹھنک کر سے شکایت کی۔ چھوٹی ہونے کی وجہ سے وہ زیا لاڈلی اور نخریلی تھی۔

''کیوں دل پر لے رہی ہو بیٹا...... بھائی نے

کر رہا ہے۔'' عابدہ بیگم نے اسے سمجھایا اور خود دوبارہ بیٹے کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''کیا کہتے ہو پھر شروع کروں لڑکی کی تلاش!''

''شادی تو مجھے ایک نہ ایک دن کرنی ہی ہے امی لیکن میں سوچ رہا تھا کہ پہلے انیلا کی ہو جائے تو پھر میں اپنے بارے میں سوچوں۔'' اس بار اس نے سنجیدگی سے ماں کی بات کا جواب دیا۔

''کیوں، پہلے میری کیوں...... آپ بڑے ہیں پہلے آپ کی شادی ہونی چاہیے۔'' اس کی بات سن کر انیلا نے فوراً ہی تنک کر کہا۔

''وہ اس لیے خونخوار بلی کہ یہ جو تمہیں ہر وقت پنجے نکالنے کی عادت ہے اس سے میری بے چاری بیوی کو خطرہ ہو سکتا ہے۔ تم تو جب دیکھو تب پنجے جھاڑ کر اس بے چاری کے پیچھے پڑی رہو گی۔'' اس نے ایک بار پھر اسے چھیڑا تو وہ چیخ پڑی۔

''دیکھ رہی ہیں امی آپ بھائی کی چالاکیاں...... لیکن آپ نے کیا سمجھا ہے کہ میری شادی ہو گئی تو میرا اس گھر سے واسطہ ختم ہو جائے گا۔ ارے میں تو شادی کے بعد بھی آپ کی اور آپ کی بیگم کا ناک میں دم کر سکتی ہوں اور ضرور کروں گی۔'' سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ اس نے اپنے عزائم کا اظہار کیا۔

''میں پہلے ہی تمہارے میاں کے کان بھر دوں گا کہ اس بلی کو زیادہ چھوٹ دینے کی ضرورت نہیں، سختی میں رکھنا اور کم کم میکے آنے کی اجازت دینا۔'' انیلا کے تاثرات کے برعکس اس کے ہونٹوں پر بڑی محظوظ ہونے والی مسکراہٹ تھی۔

''ابو دیکھیں ناں بھائی کو۔'' اس بار انیلا نے خلیل صاحب کو پکارا جو چائے پیتے ہوئے دونوں بہن بھائی کی نوک جھوک سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

''ارے بھئی...... تم بہن، بھائی نے کیوں خواہ مخواہ چونچیں لڑانا شروع کر دی ہیں۔ میں کون سا بارات لے کر جانے کے لیے دروازے پر کھڑی ہوں۔ شادی ہوتے ہوتے بھی وقت لگے گا۔ ہو سکتا ہے اتنے عرصے میں تمہارا کوئی اچھا سا رشتہ آ جائے تو میں دونوں بھائی، بہن کو ایک ساتھ ہی نمٹا دوں.... فی الحال تو عادل کے لیے اچھی لڑکی ڈھونڈنے کا مسئلہ ہے۔ دسیوں گھر چھانو تب ہی کہیں جا کر اچھی لڑکی مل پاتی ہے۔'' عابدہ بیگم نے ان کی لڑائی میں دخل دیتے ہوئے اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔

''تو یوں کہیں ناں کہ آپ بہو ڈھونڈنے کے بہانے دوسروں کے گھر جا کر مفت اڑانے کے چکر میں ہیں۔'' خلیل صاحب تو موقع کی تلاش میں ہی رہتے تھے کہ کب بیگم کو چھیڑ سکیں۔ چنانچہ فوراً ہی ان کی بات پکڑ لی۔

''میری اتنی گھٹیا سوچ نہیں ہے۔ آپ کے خاندان میں ہو گا یہ رواج کہ لڑکی ڈھونڈنے کے بہانے دوسروں کے گھروں میں مفت کی دعوتیں اڑاتے پھریں۔'' حسبِ معمول عابدہ بیگم سلگ اٹھیں۔

''کہاں بھئی..... اگر ہمارے خاندان میں لڑکیاں تلاش کرنے کے لیے اتنی محنت کی جاتی ہوتی تو آپ کیسے یہاں آتیں۔'' انہوں نے جان بوجھ کر ایک سرد آہ بھرتے ہوئے حسرت سے کہا، اس بار تو عابدہ بیگم سچ مچ ہی سلگ گئیں۔

''اتنی سرد آہیں بھرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جائیں اب جا کر کوئی حسینہ ماہ جبینہ ڈھونڈ لیں، بیٹے کے ساتھ ساتھ میں آپ کے سر پر بھی سہرا سجانے کا انتظام کر دوں گی۔''

''پیشکش تو آپ کی شاندار ہے بیگم لیکن سوچ لیں کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے سامنے آپ کے بیٹے کی پرسنالٹی ڈاؤن ہو جائے اور لوگ کہیں بیٹے پر باپ جیسا روپ نہیں چڑھا۔'' وہ بیگم کے غصے سے پوری طرح محظوظ ہو رہے تھے۔ دوسری طرف انیلا اور عادل بھی اپنا جھگڑا بھول کر ان دونوں کے درمیان

جاری مکالمے سے لطف اندوز ہورہے تھے کہ دروازے پر ابھرنے والی دستک کی آواز نے سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالی۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' عادل بولتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ سامنے رقیہ آنٹی کی سب سے چھوٹی بیٹی اریبہ کھڑی تھی۔ چودہ پندرہ سال کی اریبہ میٹرک کی طالبہ تھی لیکن اپنی عمر کی دیگر بچیوں کی طرح شوخ و چنچل ہونے کے بجائے بہت سنجیدہ مزاج تھی۔ اس وقت بھی اس نے دوپٹے کو بہت سلیقے سے سر پر جما رکھا تھا اور نظریں نیچی کیے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ شاید گھر میں کسی مرد کے نہ ہونے کے باعث رقیہ آنٹی بیٹیوں کے معاملے میں حد سے زیادہ احتیاط پسندی سے کام لیتی تھیں، اسی لیے ان کی بیٹیاں اتنی سنجیدہ مزاج تھیں صرف بیچ والی طیبہ کے مزاج میں تھوڑی بہت شوخی پائی جاتی تھی اور وہ ہر وقت ماں سے ڈانٹ بھی کھاتی رہتی تھی۔

''آؤ اریبہ اندر آجاؤ۔'' اس نے کہتے ہوئے اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

''نہیں عادل بھائی، میں اپنا فزکس کا جرنل بنا رہی تھی مجھے فوراً واپس جانا ہے آپ سے صرف یہ کہنے آئی تھی کہ امی کہہ رہی ہیں ہوسکے تو کسی پلمبر کو بلا کرلادیں۔ ہمارے واش بیسن کا نل خراب ہوگیا جس کی وجہ سے سارا پانی ضائع ہورہا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے آنے کی وجہ بیان کی۔

''اچھا تم چلو میں دیکھتا ہوں۔'' اس نے اریبہ سے کہا اور خود اندر جا کر پہلے امی، ابو کو مطلع کیا پھر رقیہ آنٹی کے فلیٹ کی طرف روانہ ہوا۔ اریبہ جا چکی تھی..... عادل نے فلیٹ کی گھنٹی بجائی تو آنٹی دروازے پر نمودار ہوئیں۔

''کیا ہوا بیٹا اتنی جلدی پلمبر کو لے آئے کیا؟'' حیران سی رقیہ آنٹی نے اس کے پیچھے کسی کو ڈھونڈنے کی کوشش کی۔

''پلمبر کو نہیں لایا آنٹی..... میں نے سوچا پہلے میں خود دیکھ لوں، چھوٹے موٹے کام تو میں بھی نمٹا لیتا ہوں۔''

''اس سے اچھی بات کیا ہوگی۔ آؤ آجاؤ۔'' وہ خوش ہوگئیں۔ محدود آمدنی میں سے قسم کے خرچوں کے لیے رقم نکالنا ظاہر ہے انہیں گزرتا تھا ایسے میں اگر عادل ان کا یہ کام کروا لیتا تو پلمبر کے خرچے سے بچ جاتیں۔ عادل نے مشکل سے دس بارہ منٹ میں ان کا یہ مسئلہ حل کردیا۔

''بہت بہت شکریہ بیٹا..... اگر یہ نل ایسے ہی بہتا رہتا تو بڑی پریشانی ہوجاتی۔'' رقیہ آنٹی نے سے اس کا شکریہ ادا کیا۔ وہ لوگ جس بلڈنگ میں رہتے تھے وہاں مخصوص اوقات میں پانی سپلائی کیا جاتا تھا جسے ہر فلیٹ کے مکین فلیٹ میں موجود ٹنکی میں ذخیرہ کرلیتے۔ اگر یہ ذخیرہ شدہ پانی ختم ہوجاتا تو پھر پانی لینے کے لیے نیچے اتر کر جانا پڑتا تھا اور ظاہر ہے خواتین پر مشتمل اس فیملی میں سے تو کوئی نیچے سے پانی کے کین بھر بھر کر اوپر نہیں لاسکتا تھا۔ اس لیے چھوٹا سا یہ مسئلہ ان کے لیے بڑی پریشانی کا باعث تھا۔

''شکریے کی کیا بات ہے آنٹی..... چھوٹا سا کام تھا، محلے داری میں انسان کو اتنا خیال تو رکھنا پڑتا ہے۔'' اس نے عاجزی سے جواب دیا اس سے قبل کہ رقیہ آنٹی کچھ کہہ پاتیں طیبہ وہاں نازل ہوگئی۔

''امی عادل بھائی بالکل صحیح کہہ رہے ہیں۔ ہمارا ان پر اتنا۔ حق تو ہے ہی۔ آپ یہ بتائیں عادل بھائی کہ چائے پئیں گے یا شربت......؟'' اس نے ایک ہی سانس میں ماں اور عادل دونوں سے بات کہہ ڈالی۔

''چائے پیوں گا مگر ہونی زبردست چاہیے ورنہ کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔'' وہ جانتا تھا کہ تینوں بہنوں میں منیبہ سب سے اچھی چائے بناتی ہے لیے چائے پی کر آنے کے باوجود جان بوجھ کر فرمائش کر ڈالی۔ اصل میں یہاں اتنی دیر سے موجود ہونے کے باوجود اسے ابھی تک منیبہ کی شکل دکھائی نہیں دی تھی۔ وہ اندر کمرے میں بچوں کو ٹیوشن پڑھا رہی تھی۔ شام کے اوقات میں اس کے پاس بلڈنگ ہی کے کئی بچے ٹیوشن پڑھنے آتے تھے جس سے اسے اپنے تعلیمی اخراجات کے علاوہ چھوٹی موٹی دیگر ضروریات پوری کرنے میں سہولت ہوجاتی تھی۔

''صاف کہیں کہ آپی کے ہاتھ کی چائے پینی ہے۔ زبردست چائے تو ہمارے گھر میں وہی بناتی ہیں۔'' منہ پھٹ طیبہ نے ہنستے ہوئے کہا اور ماں کے گھورنے کی پروا نہ کرتے ہوئے منیبہ کو چائے کا کہنے چلی گئی۔

''یہ لڑکی جانے کس پر گئی ہے۔ کتنا ہی روکو ٹوکو اس کا چنچل پن ختم نہیں ہوتا۔'' رقیہ بڑبڑائیں لیکن مہمان نوازی کے تقاضے تو نبھانے ہی تھے۔ چنانچہ نہایت مروت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے بولیں۔ ''آؤ بیٹا وہاں چل کر بیٹھو۔'' وہ اسے ساتھ لیے ہوئے ٹی وی لاؤنج میں آگئیں جہاں ایک پرانا لیکن صاف ستھرا صوفہ سیٹ رکھا ہوا تھا۔ وہ ایک سنگل صوفے پر بیٹھ گیا اور رقیہ آنٹی سے ان کی دلچسپی کے موضوعات پر گفتگو کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں منیبہ ٹرے میں چائے کی پیالیاں لیے چلی آئی۔ سیدھی مانگ نکالے ہمیشہ کی طرح سر پر دوپٹا اوڑھے ہوئے۔ منیبہ کو دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور ساتھ ہی تھوڑی دیر قبل امی سے ہونے والی گفتگو بھی یاد آئی۔

''امی سے کہوں گا کہ لڑکی کی تلاش میں دسیوں گھر ... زحمت کرنے کی کیا ضرورت ہے بس ایک سیڑھی اتر کر رقیہ آنٹی کے ہاں چلی جائیے گا۔'' اپنے دل میں آنے والے خیال پر وہ خود ہی مسکرا اٹھا۔ سادہ سی منیبہ کب سے اس کے دل کو بھانے لگی تھی وہ صحیح طور پر نہیں بتا سکتا تھا البتہ یہ ضرور یاد تھا کہ وہ اسے ہر روپ میں بھاتی تھی۔ اکلوتے بھائی کی

موت پر ضبطِ گریہ سے سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ، ماں، بہنوں کو سنبھالتی منیبہ نے بھی اسے متاثر کیا تھا اور ہر روز سادگی کا پیکر بنی سفید یونیفارم میں نظریں جھکائے کالج جاتی منیبہ بھی اسے اچھی لگتی تھی اگر اس پسندیدگی کو وہ امی تک پہنچاتا تو یقیناً انہیں اعتراض نہ ہوتا۔ وہ خود بھی رقیہ آنٹی کی تینوں بیٹیوں کی تعریف ہی کیا کرتی تھیں پھر پتا نہیں کیوں بہو کے لیے انہیں منیبہ کا خیال نہیں آیا تھا بہرحال اسے امید تھی کہ جب وہ ان کا دھیان اس طرف کروائے گا تو وہ اعتراض نہیں کریں گی۔

''طیبہ کہاں ہے اس کے ہاتھ سے چائے بھجوا دیتیں۔'' میز پر چائے رکھتی منیبہ سے رقیہ آنٹی نے کہا۔ ان کی جہاندیدہ نظروں سے عادل کی پسندیدگی چھپی نہیں رہی تھی اس لیے وہ بہت محتاط تھیں۔

''وہ سامنے گئی ہے۔ کہہ رہی تھی ارم سے کڑھائی کا نمونہ لینا ہے۔'' منیبہ نے آہستہ سے جواب دیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

''ایک تو اس لڑکی سے میں بہت پریشان ہوں، نچلا تو بیٹھا ہی نہیں جاتا اس سے...... سیر سپاٹے اور شوخیاں ہی سوجھی رہتی ہیں۔'' رقیہ بڑبڑائیں۔

''جانے دیں آنٹی...... اس عمر میں تو سب لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ ہماری انیلا کو نہیں دیکھا آپ نے، کتنی شوخ اور شرارتی ہے۔'' اس نے انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

''انیلا کی اور بات ہے بیٹا! اس کے سر پر باپ اور بھائی کا ہاتھ ہے کوئی اس کی طرف انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا جبکہ میرے دروازے پر سب کی نظریں رہتی ہیں کہ کب موقع ملے اور باتیں بنائیں۔ میں ان بچیوں پر اتنی سختی اسی لیے کرتی ہوں کہ عزت سے اپنے گھر کی ہوجائیں۔ کسی ایک سے بھی ذرا سی لغزش ہوگئی تو باقی بہنوں کے لیے بھی مشکل ہوجائے گی۔ مرد کے سہارے کے بغیر رہنے والی عورتوں کی معمولی

معمولی غلطی کو بھی لوگ معاف نہیں کرتے بلکہ غلطی نہ ہو صرف شک ہی ہو تو بے شمار الزامات لگا ڈالتے ہیں اور میں ایسے ہی وقت سے ڈرتی ہوں۔" رقیہ آنٹی بولتی جا رہی تھیں اور وہ خواہ مخواہ شرمندہ ہو رہا تھا کہ کیوں منیبہ کے ہاتھ کی چائے پینے کی فرمائش کر کے انہیں مشکل میں ڈالا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اس وقت شرمندگی کے باعث منیبہ کی تیار کردہ لذیذ چائے نے بھی اپنا ذائقہ کھو ڈالا تھا۔

☆☆☆

وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ مناسب موقع دیکھ کر امی سے منیبہ کے سلسلے میں بات کر لے کہ انیلا کے لیے ایک بہت اچھا رشتہ آ گیا۔ لڑکا دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا اور ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر کام کر رہا تھا...... شکل صورت کا بھی اچھا تھا۔ عابدہ بیگم کا تو پہلی بار میں ہی اس پر دل آ گیا تھا...... شاید وہ جلد بازی میں فوراً ہاں بھی کر دیتیں لیکن خلیل صاحب نے سمجھایا کہ بیٹی کی پوری زندگی کا معاملہ ہے۔ اچھی طرح دیکھ بھال کر اور سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا مناسب ہوگا۔ عادل بھی ان کا ہمنوا تھا چنانچہ عابدہ بیگم کو صبر سے کام لینا پڑا۔ لڑکے کے چال چلن اور دیگر معاملات کی چھان بین کی ذمے داری قدرتی طور پر عادل کو سونپ دی گئی۔ اسے بھی اپنی اکلوتی بہن سے بہت محبت تھی سو خوب ٹھونک بجا کر لڑکے کو جانچنے کے بعد امی، ابو کو اوکے کی رپورٹ دی۔ اس کے اوکے کرتے ہی لڑکے والوں کو اثبات میں جواب دیا گیا اور فوراً ہی گھر میں ایک خوشگوار سا ہنگامہ شروع ہو گیا۔ رشتے سے جڑے کئی معاملات طے کرنے کے لیے دونوں طرف کے لوگوں نے ایک دوسرے سے خوب ملاقاتیں کیں اور آخر کار باہمی مشورے سے چھٹی والے دن منگنی کی تقریب کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا گیا۔ شادی چھ سات مہینے بعد ہونی تھی کیونکہ لڑکے کی ایک منگنی شدہ بہن کو بھی اس کے ساتھ ساتھ ہی رشتۂ ازدواج میں منسلک کیا جاتا تھا۔ لڑکے کی بہن یعنی ا[illegible] کی ہونے والی نند کا منگیتر روزگار کے سلسلے میں د[illegible] میں مقیم تھا جہاں سے اس کی تقریباً چھ ماہ بعد چھٹیوں آنے کی امید تھی۔ عابدہ بیگم اور خلیل صاحب [illegible] شادی کے لیے لی جانے والی چند ماہ کی مہلت پر کو[illegible] اعتراض نہیں کیا بلکہ حقیقتاً انہیں خود بھی تیاری کے [illegible] اتنی مہلت تو درکار ہی تھی۔ بیٹی اور وہ بھی اکلوتی بی[illegible] جہیز جوڑنا اتنا آسان نہیں تھا۔ والدین کی خواہش [illegible] کہ وہ اپنی حیثیت سے بھی بڑھ کر اسے جہیز دے [illegible] میکے سے رخصت کریں۔ چنانچہ ملنے والی مہلت [illegible] غنیمت سمجھا گیا اور جوش و خروش سے منگنی کی تیاری [illegible] جانے لگی۔ انیلا کے لیے لباس اور دیگر اشیا تو اس [illegible] سسرال سے ہی آنا تھیں لیکن پھر بھی وہ منگنی والے دن خوب صورت و تر و تازہ نظر آنے کے لیے مختلف قسم کے دیسی و ولایتی نسخے آزمانے میں مصروف تھی۔ منگنی کے میک اپ اور مہندی کے لیے اچھے پارلر کی تلاش [illegible] مسئلہ اپنی جگہ تھا۔ اور سب سے بڑھ کر انیلا کی [illegible] تحاشا سہیلیوں کو ان کے گھروں پر جا کر دعوت دینے [illegible] سلسلہ تھا۔ اکلوتے بھائی کی حیثیت سے عادل کو یہ سارے فرائض انجام دینے کے لیے خاصی بھاگ دوڑ کرنی پڑ رہی تھی اور اس گہما گہمی میں اس کے پاس ذرا فرصت نہیں تھی کہ وہ امی سے منیبہ کے سلسلے میں بات کر سکے۔ اس نے اس معاملے کو منگنی کے بعد اطمینان سے ڈسکس کرنے کا سوچ کر فی الحال دل کی بات دل تک ہی محدود رکھ لی تھی۔ اتفاق سے آج کل اس کے دفتر میں بھی بہت کام تھا اس لیے وہ ضرورت سے زیادہ ہی مصروفیت اور تھکن کا شکار ہو گیا تھا [illegible] حالات میں جب رقیہ آنٹی نے اس سے اریبہ کو میتھ[illegible] اور فزکس پڑھانے کے سلسلے میں درخواست کی تو اس نے منگنی تک کی مہلت مانگ لی۔ رقیہ بھی سمجھتی تھیں کہ اس پر کتنی ذمے داریاں ہیں اس لیے اریبہ کے امتحانات کی تاریخ نزدیک ہونے کے باوجود زیا[illegible]

اصرار نہیں کیا اور اسی بات پر شکریہ ادا کرتی رہیں کہ وہ منگنی کے بعد ہی سہی پڑھانے کے لیے راضی تو ہے۔

اللہ اللہ کر کے آخر کار وہ مبارک دن آ ہی گیا جب انیلا کو اپنی انگلی میں حسن کے نام کی انگوٹھی پہننی تھی۔ تقریب کا اہتمام ان کی بلڈنگ کے وسیع کمپاؤنڈ میں ہی کیا گیا تھا۔ فینسی شامیانوں میں سیٹ کی گئی وی آئی پی کرسیوں اور گلاس ٹاپ ٹیبلز کے علاوہ نہایت خوب صورتی سے کی گئی لائٹنگ نے ہر دیکھنے والی آنکھ کو متاثر کیا۔ دولہا والے آئے تو وہ بھی ان انتظامات سے متاثر نظر آنے لگے ورنہ لڑکے کی والدہ کی تو خواہش تھی کہ تقریب کسی بڑے ہوٹل میں انجام دی جائے اور یہ خلیل صاحب کو منظور نہیں تھا۔ ہوٹل میں تقریب کرنے کی صورت میں اخراجات بہت زیادہ بڑھ جاتے اور چند گنے چنے لوگوں کو ہی دعوت دینی پڑتی جبکہ ان کی خواہش تھی کہ گھر میں ہونے والی خوشی کی پہلی تقریب کے موقع پر عزیز و اقارب سمیت پاس پڑوس کے لوگوں کو بھی شریک کریں۔ موجودہ انتظامات سے ان کی یہ خواہش پوری ہو گئی تھی اور لڑکے والے بھی خوش نظر آ رہے تھے۔ خوشگوار ماحول میں منگنی کی رسم انجام دینے کے بعد پُرتکلف کھانے کا آغاز کر دیا گیا۔ ابھی کھانا کھایا ہی جا رہا تھا کہ پنڈال میں ایک طرف ہنگامہ سا کھڑا ہو گیا۔ لوگ کھانا پینا بھول کر اس طرف متوجہ ہو گئے۔ تقریب کے میزبان کی حیثیت سے متفکر سا عادل بھی اس طرف دوڑا۔ قریب جا کر دیکھنے پر معلوم ہوا کہ رقیہ آنٹی کے سامنے والے فلیٹ میں مقیم غزالہ آنٹی بلند آواز میں کسی کو لعنت ملامت کر رہی تھیں، وہ ان کے الفاظ سے کوئی نتیجہ اخذ کر پاتا کہ نظر سر جھکا کر بے تحاشا روتی طیبہ اور غزالہ آنٹی کے بیٹے شاہد پر پڑی۔ اس کا چہرہ بھی کسی مجرم کی طرح بجھا ہوا تھا لیکن وہ کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح اپنی والدہ کو چپ کروا سکے لیکن وہ تو گویا زندگی بھر کا غبار نکالنے کے چکر میں تھیں۔ معاملہ کچھ کچھ عادل کی سمجھ میں آنے لگا۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ کر پاتا منیبہ ہجوم میں سے راستہ بناتے ہوئے طیبہ کے قریب پہنچی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے لے جانے لگی۔

"ہاں، ہاں لے جاؤ اپنی آوارہ بہن کو...... پہلے چھپ چھپ کر میرے بیٹے کو بغیر نام کے خط لکھتی تھی اور اب اس کی ہمت اتنی بڑھ گئی کہ بھری محفل میں اس سے عشق لڑانے لگی۔" غزالہ نے گرج دار آواز میں منیبہ سے کہا۔ وہ بے چاری جواب میں کیا کہتی بس خاموشی سے طیبہ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے لے گئی۔

"کم بخت اپنے نام کی ہی کچھ لاج رکھ لیتی۔ ایسی آوارہ لڑکی کو کون طیبہ کہہ کر پکارے گا۔" غزالہ کی زہر افشانی جاری تھی بالآخر عابدہ بیگم کو آگے بڑھ کر انہیں احساس دلانا پڑا کہ وہ اپنے ایک ذاتی مسئلے کی وجہ سے ان کے گھر کی تقریب خراب کر رہی ہیں۔ ان کے احساس دلانے پر غزالہ نے بہ آواز بلند شور مچانا بند کر دیا اور بلڈنگ کی دوسری خواتین کے ساتھ منہ پھُلا کر ایک طرف بیٹھ گئیں۔ باقی کی پوری تقریب میں وہ سرگوشیوں میں ان خواتین کو بتاتی رہیں کہ کس طرح انہوں نے اپنے بیٹے کے پاس موجود ایسے عشقیہ خطوط پکڑے جن پر کسی کا نام موجود نہیں تھا اور ٹوہ میں لگ گئیں کہ اس لڑکی کو ڈھونڈیں جس نے ان کے بھولے بھالے بیٹے کو عشق کی راہ پر لگا دیا تھا۔ آج کی تقریب میں انہیں کامیابی حاصل ہو گئی اور انہوں نے سب سے الگ تھلگ ایک کونے میں کھڑے باتیں کرتے طیبہ اور شاہد کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ اِدھر غزالہ کے یہ دلچسپ اور سنسنی خیز انکشافات جاری تھے اُدھر رقیہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ تقریب سے چلی گئی تھیں۔ اس واقعے کے بعد تقریب کا رنگ پہلے جیسا نہیں رہا تھا اور سب کی طبیعت مکدر سی ہو گئی تھی خصوصاً عادل کی کیفیت بہت عجیب تھی۔ کچھ دیر قبل منیبہ کو قدرے تیاری کے ساتھ محفل میں دیکھ کر اس کا دل جو خوشی محسوس کر رہا تھا وہ ان آنسوؤں میں ڈوب کر ختم ہو گئی تھی جو یہاں سے

جاتے سمے اس کی آنکھوں میں تھے۔

☆☆☆

منگنی کی تقریب سے فارغ ہوتے ہی عادل اریبہ کو پڑھانے کے سلسلے میں رقیہ آنٹی سے کیا جانے والا وعدہ نبھانے ان کے گھر جا پہنچا۔ دروازہ رقیہ آنٹی نے ہی کھولا۔ ان کی صورت دیکھ کر عادل کو جھٹکا سا لگا دو دن میں ہی وہ برسوں کی بیمار لگنے لگی تھیں۔ چہرے پر ایسی زردی کھنڈی تھی جیسے جسم میں خون ہی نہ ہو۔ عادل کو دروازے پر دیکھ کر انہوں نے قدرے ہچکچاتے ہوئے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے آنٹی...... آپ مجھے بہت کمزور لگ رہی ہیں؟'' ڈرائنگ روم میں ان کے روبرو بیٹھتے ہوئے اس نے ان سے دریافت کیا۔

''بی پی بہت ہائی ہوگیا تھا۔ دوا کھا رہی ہوں۔ ڈاکٹر نے کہا ہے آہستہ آہستہ کنٹرول میں آجائے گا، تم بتاؤ کیسے آنا ہوا؟'' انہوں نے مختصراً اپنی طبیعت کے بارے میں بتا کر اس سے آنے کی وجہ پوچھی تو اسے ان کا انداز کچھ عجیب سا لگا۔ وہ اس سے کچھ اس طرح کا برتاؤ کر رہی تھیں جیسے وہ ان کے لیے اجنبی ہو۔

''آپ نے مجھ سے اریبہ کو میتھس اور فزکس پڑھانے کے لیے کہا تھا تو میں اسی سلسلے میں آیا ہوں۔ اریبہ کہاں ہے؟ اسے کہیں کہ کتابیں لے کر آجائے۔'' اس نے ان کے رویے کو ان کی طبیعت کی خرابی پر محمول کرتے ہوئے نرمی سے جواب دیا۔

''تمہارا بہت بہت شکریہ بیٹا کہ تم نے میری درخواست کو یاد رکھا لیکن اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اریبہ کو جو کچھ پڑھنا ہوگا منیبہ سے پڑھ لے گی۔'' انہوں نے سپاٹ سے لہجے میں کہا تو وہ حیران رہ گیا۔

''منیبہ کیسے اسے پڑھا سکتی ہے۔ اس نے تو آرٹس کے مضامین میں میٹرک کیا تھا اور اس کا میتھس اور فزکس سے دور دور تک تعلق نہیں ہے۔''

''دونوں بہنیں مل کر کچھ نہ کچھ کر ہی لیں گی۔ میں نے اریبہ سے کہہ دیا ہے کہ وہ اپنی اسکول ٹیچروں سے ہی اچھی طرح سمجھ لیا کرے۔ اسکول میں اتنا تو پڑھایا ہی جاتا ہے کہ اس کے پرچے کلیئر ہوجائیں۔''

''لیکن آپ اس کے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟ وہ اچھی خاصی ذہین طالبہ ہے۔ صحیح رہنمائی ملے گی تو بہت اچھے گریڈ سے پاس ہوگی۔ اگر اس کے اچھے نمبر نہیں آئے تو مجھے بہت افسوس ہوگا کہ میرے ہوتے ہوئے بھی ایسا ہوا۔'' وہ اپنے تئیں انہیں سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔

''بات کو سمجھا کرو عادل بیٹا...... جو کچھ انیلا کی منگنی والے دن ہوا اس کے بعد میں مزید کوئی رسک نہیں لے سکتی۔ غزالہ نے برسوں کے تعلقات کا لحاظ کیے بغیر اس روز اتنا ہنگامہ کیا کہ میں کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہی۔ اس واقعے کے بعد اب سب کی نظریں میری بیٹیوں پر ہی لگی رہیں گی اور لوگ کسی بھی غیر مرد کو میرے گھر آتا جاتا دیکھیں گے تو انگلیاں اٹھانے اور باتیں بنانے سے نہیں چوکیں گے۔ میں نہیں چاہتی کہ طیبہ سے جو غلطی ہوئی اسے کوئی اور بھی دہرائے۔ میں کسی بھی مزید بدنامی کے بغیر ان تینوں کو ان کے گھروں کا کرنا چاہتی ہوں۔ تینوں میں سے جیسے ہی کسی کا بھی مناسب رشتہ آئے گا میں اسے رخصت کردوں گی۔ نصیب میں ہوا تو اپنے گھر جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرلیں گی۔'' رقیہ آنٹی ان دو دنوں میں ہی بہت سے فیصلے کر چکی تھیں اسے یوں محسوس ہوا کہ کہیں عجلت میں وہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کر جائیں اس لیے نہایت خلوص سے انہیں سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔

''میں مانتا ہوں... آنٹی کہ طیبہ سے غلطی ہوئی لیکن نادانی میں بھی کبھار ایسی غلطیاں ہوجاتی ہیں مگر غزالہ آنٹی نے زیادتی کی کہ اس بات کو اتنا زیادہ اچھالا اگر وہ طیبہ کو اپنی بہو کی حیثیت سے قبول نہیں کرسکتی تھیں تو اس معاملے کو کسی اور طریقے سے بھی حل کیا جاسکتا تھا۔ بہرحال انہوں نے جو کرنا تھا کر چکیں لیکن آپ تو ایسا نہ کریں۔ آپ ان کی ماں ہیں۔ آپ کو اپنی بیٹیوں کے لیے فیصلے کرتے وقت دنیا والوں کی پروا کرنے کے بجائے ان کا خیال ہونا چاہیے۔''

''تم میری حالت نہیں سمجھ سکتے بیٹا! میں نے جو سوچا ہے اپنی بچیوں کے بھلے کے لیے ہی سوچا ہے، مجھ غریب بیوہ ماں کے پاس اپنی بچیوں کے لیے مال و متاع تو ہے نہیں جسے دیکھ کر لوگ میرے در پر آئیں۔ بچیوں کی شرافت اور سلیقہ مندی سے ہی امید تھی کہ شاید کوئی ان خوبیوں کا قدردان نکل آئے لیکن شرافت پر بھی ایک داغ لگ گیا۔ ہوسکتا ہے کہ وقت اس داغ کو دھندلا دے لیکن میں یہ رسک نہیں لے سکتی کہ جانے انجانے میں مزید کوئی داغ ان کا نصیب بنے۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ جب تک تینوں کے کسی مناسب جگہ رشتے نہیں ہوجاتے انہیں گھر کی چار دیواری تک ہی محدود رکھوں گی۔ اریبہ اور منیبہ اپنے امتحانوں سے فارغ ہوجائیں تو ان کی تعلیم کا سلسلہ یہیں ختم کروادوں گی۔ اب تم سمجھ ہی سکتے ہو کہ جب مجھے اریبہ کو مزید آگے پڑھوانا ہی نہیں ہے تو اس کے اچھے یا برے نمبروں سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' ان کا انداز بڑا بے لچک تھا۔ عادل کو احساس ہوا کہ انہوں نے ہونے والے واقعے کا بہت زیادہ اثر لیا ہے اور ایسی کیفیت میں نہیں ہیں کہ فی الحال سمجھانے سے کچھ سمجھ سکیں لہٰذا مزید بحث کیے بغیر وہاں سے اٹھ کر باہر نکل آیا۔ اپنے گھر آکر بھی اس کا ذہن وہیں الجھا رہا۔ عابدہ بیگم نے بھی اس کی یہ کیفیت محسوس کرلی اور اس سے اس کی خاموشی کے بارے میں استفسار کیا جواباً اس نے رقیہ آنٹی سے ہونے والی ساری گفتگو ان کے سامنے دہرادی۔

''میرے خیال میں رقیہ نے بالکل ٹھیک فیصلہ کیا ہے۔ ایک غریب بیوہ کو جس کی تین تین جوان بیٹیاں ہوں ان حالات میں یہی کچھ کرنا چاہیے تھا ورنہ آگے چل کر اسے مزید پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔'' انہوں نے اس کی زبانی سب کچھ سن کر تبصرہ کیا۔

''یہ کیا بات ہوئی امی! ان کا غریب یا بیوہ ہونا اتنا بڑا جرم تو نہیں ہے کہ ان کی بیٹیوں سے عام انسانوں کی طرح رہنے کا حق ہی چھین لیا جائے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ طیبہ کی ایک معمولی سی غلطی کی سزا اس کی دوسری بہنیں بھی بھگتیں۔'' وہ ان کی بات سن کر خفا سا ہوگیا۔

''پہلی بات تو یہ کہ طیبہ نے کوئی معمولی غلطی نہیں کی تھی۔ لڑکیوں کی ایسی غلطیاں بعض اوقات نسلوں تک یاد رکھی جاتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ تمہیں اس معاملے میں بلاوجہ...... زیادہ انوالو ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم اریبہ کو پڑھانے کے لیے گئے تھے، بہت اچھا کیا۔ آگے ان کی مرضی کہ انہوں نے انکار کردیا۔ تمہارا فرض پورا ہوگیا اس لیے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے...... باقی میں دیکھوں گی کہ رقیہ کو تھوڑا بہت سمجھا سکوں۔'' عابدہ بیگم نے اس کی خفگی کی پروا کیے بغیر نہایت سختی سے اسے ٹوک دیا۔

''یہ کوئی بات نہیں ہوئی امی! رقیہ آنٹی سے ہمارے اتنے پرانے تعلقات ہیں، ہمارا فرض بنتا ہے کہ وہ کچھ غلط کر رہی ہیں تو انہیں اس کا احساس دلائیں۔ طیبہ سے اگر کوئی غلطی ہوگئی ہے تو اس کی سزا باقی دونوں بہنوں کو نہیں ملنی چاہیے یا آپ سمجھتی ہیں کہ وہ دونوں بھی اپنی بہن کی شریکِ جرم ہیں؟'' ماں کے سخت لہجے کے باوجود وہ کلمۂ حق بلند کرنے سے باز نہیں آیا۔

''خدانخواستہ میں کیوں کسی کی بیٹیوں پر بہتان باندھنے لگی۔ اریبہ اور منیبہ دونوں ہی بڑی اچھی اور سمجھدار بچیاں ہیں۔ خصوصاً منیبہ کا مزاج تو بہت ہی سنجیدہ ہے۔ وہ تو طیبہ کو بھی اس کی شوخی اور بے باکی پر

اکثر روکتی ٹوکتی رہتی تھی۔ اگر اس کے علم میں یہ بات ہوتی تو نوبت کبھی یہاں تک نہ آتی، وہ بہت پہلے ہی ماں کو بتا کر مسئلہ حل کر چکی ہوتی لیکن خیر جو ہونا تھا ہوگیا۔ آگے رقیہ کی مرضی ہے کہ وہ اپنے مسائل کو کس طرح حل کرتی ہیں۔ ہم کون ہوتے ہیں ان کے معاملات میں دخل دینے والے؟ اس طرح کی دخل اندازی کرتے ہوئے وہی لوگ اچھے لگتے ہیں جن کے پاس مسئلے کا کوئی حل ہو۔'' اسے باز نہ آتا دیکھ کر انہوں نے ایک اور زاویے سے سمجھایا لیکن اس کے ہاتھ ایک اچھا پوائنٹ آگیا سو آہستہ سے بولا۔

''ہم رقیہ آنٹی کا کم از کم ایک مسئلہ تو حل کر ہی سکتے ہیں۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' عابدہ بیگم نے اسے گھورا۔

''میرے خیال میں آپ میرا مطلب سمجھ رہی ہیں۔ آپ اس دن کہہ رہی تھیں کہ انیلا کی رخصتی کے بعد آپ کو اکیلے گھر سنبھالنے میں دشواری ہوگی اس لیے اسے رخصت کرنے کے ساتھ ساتھ آپ بہو بھی گھر لے آئیں گی تو اس کے لیے منیبہ بہت مناسب رہے گی۔ وہ تمیز دار اور سلیقہ شعار لڑکی ہے۔ ابھی آپ بھی اس کی تعریف کر رہی تھیں۔'' آخر کار وہ بہت دنوں سے دل میں دبی بات زبان پر لے ہی آیا۔

''ہرگز نہیں...... میرا دماغ خراب نہیں ہے کہ منیبہ کو اپنی بہو بنالوں۔'' انہوں نے فوراً ہی بہت سختی سے انکار کردیا۔

''لیکن کیوں امی...... منیبہ آپ کی دیکھی بھالی لڑکی ہے اور آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ وہ گھر سنبھالنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔'' اسے ان سے اتنے صاف انکار کی امید نہیں تھی اس لیے کچھ حیران ہو کر انہیں سمجھانے لگا۔

''دیکھو عادل مجھ سے بحث مت کرو، تم میرے اکلوتے بیٹے ہو اور میں تمہاری شادی دیکھ بھال کر کسی اچھے خاندان میں کرنا چاہتی ہوں۔''

''اچھے خاندان سے آپ کی مراد کہیں والے لوگ تو نہیں ہیں؟'' اسے گمان ہوا کہ دیگر سی ماؤں کی طرح کہیں اس کی ماں بھی اپنے اکلو ہونہار بیٹے کو کیش کروانے کا ارادہ نہ رکھتی ہو۔ کچھ تیکھے لہجے میں پوچھا۔

''لاحول ولا قوۃ...... تم نے مجھے ایسا لالچی سمجھ رکھا ہے کیا! جو کچھ ہمارے پاس ہے اسے بہت سمجھتی ہوں۔ مجھے روپے پیسے سے کوئی غرض نہیں لیکن لوگ عزت دار تو ہونے چاہئیں۔ رقیہ خاندان میں رشتہ جوڑ کر میں لوگوں کو کیا بتاؤں کہ لڑکی کا اکلوتا بھائی نشے کی زیادتی کی وجہ سے کتوں کی طرح جان سے گیا اور بہن پڑوسی سے ملنا کرنے کے جرم میں بھری محفل میں بے عزت ہوئی۔ نہ بابا نہ مجھے نہیں جوڑنی ایسی رشتے داری۔'' انہوں نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''کتنے افسوس کی بات ہے امی...... تو آپ کے رقیہ آنٹی سے بہنوں جیسے تعلقات ہیں بے چاری تو آپ کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتیں آپ پیٹھ پیچھے ان کے بارے میں ایسے خیالات رکھتی ہیں۔'' اس نے ماں کو ملامت کی۔

''وہ تو اس کی بیوگی اور تنہائی کا خیال کر کے اس سے ہمدردی کرتی تھی لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میرے بیٹے کو اپنی بیٹی کے لیے گھیر لے۔'' انہوں نے شرمندہ ہونے کے بجائے چمک کر جواب دیا۔

''اب آپ بہتان لگا رہی ہیں۔ رقیہ آنٹی نے کچھ نہیں کہا۔ ان لوگوں کو تو کچھ معلوم ہی نہیں ہے تو میں نے آپ کو اپنے دل کی بات بتادی کہ ماں سے بڑھ کر کون ہوگا جو اولاد کی خوشی کو سمجھ سکے۔'' بلند آواز سے ان کے الزام کی تردید کرتے کرتے آخر میں اس کا لہجہ خود بخود بے حد دھیما اور افسردہ ہوگیا۔

''تم صحیح کہہ رہے ہو کہ ماں سے بڑھ کر اولاد کی

خوشی کسی کو پیاری نہیں ہوتی لیکن اگر اولاد غلط سمت میں قدم بڑھائے تو ماں کا فرض ہے کہ اسے روکے اور صحیح راستے کی طرف رہنمائی کرے۔ منیبہ کتنی ہی اچھی صحیح لیکن اس کا ساتھ تمہارے لیے خوشیوں سے زیادہ مسائل لے کر آئے گا۔ اس کے میکے میں اتنے مسئلے ہیں کہ وہ کبھی تمہیں اور تمہارے گھر کو بھرپور توجہ نہیں دے پائے گی۔ آج تمہیں ان لوگوں سے ہمدردی ہو رہی ہے لیکن کل جب سکون کے لیے ترسو گے تو خود ہی پریشان ہو جاؤ گے۔ اس رشتے سے انکار کا دوسرا سبب یہ بھی ہے کہ میں تمہاری خوشی کے لیے انیلا کی آئندہ زندگی میں کوئی مسئلہ پیدا نہیں کرنا چاہتی...... اس کی منگنی والے دن غزالہ نے وہاں جو ہنگامہ کیا تھا وہ اس کے سسرالیوں نے بھی دیکھا تھا۔ اگر میں تمہارا رشتہ منیبہ سے کردیتی ہوں تو کل کو اس کی سسرال والے اسے طعنہ دے سکتے ہیں کہ اس کی بھاوج کا تعلق کیسے گھٹیا خاندان سے ہے۔ ویسے بھی میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ تھوڑے نازک مزاج لوگ ہیں جو اس قسم کی باتوں کو نظر انداز نہیں کرسکتے۔ کل کو وہ انیلا کو یہ کہہ کر میکے آنے سے روک سکتے ہیں کہ تمہاری بھاوج جس قسم کے بیک گراؤنڈ سے تعلق رکھتی ہے، ہم تمہارا اس سے میل جول مناسب نہیں سمجھتے پھر سوچو کہ ہم کیا کریں گے؟ کیا تم اپنی خواہش کی خاطر اپنی اکلوتی بہن کی خوشیوں کو برباد کرسکتے ہو؟'' وہ ایسے ایسے نکات نکال کر اسے سمجھا رہی تھیں کہ جن کا وہ تصور بھی نہیں کرسکا تھا۔

''آپ بہت عجیب باتیں کر رہی ہیں امی......! میں تو آپ کی باتوں سے صرف اتنا سمجھ سکا ہوں کہ آپ کو منیبہ میں کوئی برائی نظر نہیں آرہی لیکن آپ دنیا والوں کے ڈر سے اس رشتے سے انکار کر رہی ہیں۔''

''تم یہی سمجھ لو بیٹا...... دنیا میں رہنا ہے تو دنیا والوں کا خیال بھی کرنا پڑے گا۔ تم بس مجھ پر اتنا بھروسا رکھو کہ میں تمہاری ماں ہوں اور میرا ہر فیصلہ تمہاری بھلائی کے لیے ہی ہے۔'' انہوں نے گویا بحث کی گنجائش ہی ختم کردی اور اتنا تو عادل بھی جانتا تھا کہ اگر اس کی ماں ایک بار کی بحث کے بعد قائل نہیں ہوسکی تھیں تو اس کا مطلب تھا کہ ان سے کتنی ہی بار اس موضوع پر گفتگو کی جائے نتیجہ یہی نکلے گا اس لیے اب خاموشی ہی مناسب تھی۔

☆☆☆

''رقیہ آنٹی نے منیبہ کا رشتہ طے کردیا ہے۔ انہوں نے مجھے تصویر دکھائی تھی، مجھے تو وہ آدمی منیبہ کے حساب سے بالکل اچھا نہیں لگا۔ چالیس سال سے تو زیادہ ہی عمر ہوگی اس کی۔'' عابدہ بیگم سے اس کی گفتگو کے کوئی ڈیڑھ ماہ بعد اس کے کانوں نے منیبہ سے متعلق کوئی خبر سنی تھی اور وہ بھی ایسی کہ دل افسردہ ہوگیا۔ اس ڈیڑھ ماہ میں اس نے منیبہ سمیت اس کی کسی بہن کی جھلک تک نہیں دیکھی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ رقیہ آنٹی بڑی سختی سے اپنے فیصلے پر قائم تھیں اور حقیقتاً انہوں نے اپنی تینوں بیٹیوں کو گھر کی چار دیواری میں محدود کردیا تھا اور اب انیلا جو خبر سنا رہی تھی اس کے بعد یہ بھی تصدیق ہوگئی تھی کہ وہ اپنے کہے کے مطابق بیٹیوں کو کسی بھی طرح ٹھکانے لگانے کے ارادے پر نہ صرف قائم تھیں بلکہ عملی طور پر بھی ایسا ہی کر رہی تھیں۔

''کوئی اتنی زیادہ عمر نہیں ہے۔ میں نے بھی لڑکے کی تصویر دیکھی ہے۔ اچھا بھلا ہے پھر یہ کیا کم ہے کہ رقیہ کے رشتے داروں میں ہی سے ہے اور بغیر کسی قسم کے جہیز کے تین کپڑوں میں نکاح پڑھوا کر لڑکی لے جانے کو تیار ہے۔ رقیہ تو بہت مطمئن تھی کہ اس کا اتنا بڑا مسئلہ اتنی آسانی سے حل ہوگیا۔ ہوسکتا ہے ایک آدھ مہینے میں وہ منیبہ کو رخصت بھی کردے۔ تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے الٹی سیدھی باتیں کرکے منیبہ کا دل خراب کرنے کی۔'' انیلا کی دی گئی اطلاع پر عابدہ بیگم نے فوراً ہی اپنا ردعمل ظاہر کیا کہ مبادا کہیں

منیبہ کے ساتھ زیادتی کا سن کر عادل کی رگِ ہمدردی ایک بار پھر پھڑک جائے۔ ویسے بھی اس کے خاموشی اختیار کر لینے کے باوجود وہ اس کی طرف سے تشویش کا ہی شکار رہتیں۔ اس عرصے میں اس نے اپنی مصروفیت بہت بڑھالی تھی اور صبح کا نکلا رات گئے ہی واپس آتا تھا۔ انہوں نے سب کچھ سمجھتے ہوئے اسے زیادہ چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ تو اتنی محتاط تھیں کہ اپنے اور عادل کے درمیان ہونے والی گفتگو کی خلیل صاحب اور انیلا تک کو ہوا نہ لگنے دی کہ کہیں گھر میں اس کا کوئی اور طرف دار پیدا نہ ہو جائے بلکہ انہوں نے اس بات پر شکر ہی کیا تھا جس روز عادل سے ان کی وہ گفتگو ہوئی تھی خلیل صاحب اور انیلا گھر پر موجود نہیں تھے۔

''میرے خیال میں امی آپ نے چشمہ لگائے بغیر ہی وہ تصویر دیکھی ہوگی جبھی اتنے بڑے آدمی کے لیے لڑکے کا لفظ استعمال کر رہی ہیں لیکن منیبہ کی نظریں بالکل ٹھیک ہیں اور میرے کچھ کہے بغیر بھی وہ جانتی ہے کہ آنٹی اس کی شادی کسی ''بابے'' سے کر رہی ہیں۔'' انیلا کو کون باز رکھ سکتا تھا۔ جو دل میں تھا اس نے کہہ ڈالا۔

''تمہیں ضرورت نہیں ہے اس معاملے میں دخل دینے کی۔ رقیہ، منیبہ کی ماں ہے۔ اس نے کچھ سوچ سمجھ کر یہ رشتہ طے کیا ہوگا۔ منیبہ ماں کی فرمانبردار ہے کبھی کوئی اعتراض نہیں کرے گی لیکن تم......'' انہوں نے دانت کچکچاتے ہوئے اسے گھورا۔ ''تم کبھی میری بات مت ماننا، میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تمہیں وہاں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری اپنی شادی قریب ہے۔ تیرے میرے گھر جھانکنے کے بجائے اپنی تیاری کی طرف توجہ دو۔ ویسے بھی معلوم نہیں کہ تمہاری سسرال والے کن لوگوں سے تمہارا ملنا پسند کریں اور کن سے نہیں۔ تمہیں خود ہی پہلے سے محتاط ہو جانا چاہیے۔'' انہوں نے انیلا کو جھڑک کر رکھ دیا تو وہ منہ بسورتے ہوئے خاموشی سے کھانا کھانے لگی لیکن عادل کے لیے یہ سننے کے بعد حلق سے نوالہ نیچے اتارنا ممکن نہیں رہا تھا چنانچہ وہ چپکے سے اٹھ گیا۔ منیبہ سے کسی قسم کا عہد و پیماں نہ کرنے کے باوجود اس وقت وہ خود کو اس کا مجرم سمجھ رہا تھا۔ اسے احساس تھا کہ وہ پیاری لڑکی ایسے جیون ساتھی کی حق دار نہیں تھی جس کا انتخاب عجلت میں، مصلحتوں کے تحت کیا گیا تھا لیکن وہ سوائے اس کے لیے دکھی ہونے کے کر بھی کیا سکتا تھا۔ اس کی تربیت ہی اس طرح سے کی گئی تھی کہ وہ ایک حد سے آگے جا کر کسی بھی شے کے لیے ضد کرنے کا عادی نہیں تھا اور یہاں تو یہ حقیقت بھی اس کے سامنے تھی کہ اگر اس نے ضد کر کے کسی طرح منیبہ سے شادی کی خواہش منوا بھی لی تو منیبہ کو اس گھر میں کوئی خوشی نہیں مل سکے گی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی بے شمار خوبیاں رکھنے والی ماں میں یہ بہت بڑی برائی موجود تھی کہ وہ اپنی مرضی کے خلاف ہونے والی کسی بات کو کبھی قبول نہیں کر پاتی تھیں۔ منیبہ ان کی مرضی کے خلاف بہو بن کر اس گھر میں آجاتی تو وہ اس کا ناطقہ بند کر دیتیں اس لیے بہتر یہی تھا کہ وہ اپنی خواہش سے ہی دستبردار ہو جاتا لیکن دل کے ملال کا کیا کرتا، دل کو اداس ہونے سے روکنا اس کے بس میں نہیں تھا...... ہاں اگر منیبہ کی شادی کسی بہت اچھی جگہ ہو رہی ہوتی تو دوسری بات تھی وہ اتنا دکھ محسوس نہ کرتا۔ اب تو دوہری تکلیف تھی ایک طرف منیبہ کو نہ پا سکنے کا غم تھا تو دوسری طرف اس کی بربادی کا رنج...... دل ہی دل میں یہ درد سہتا وہ کچھ اور اپنے خول میں سمٹ گیا۔ عابدہ بیگم اس کی کیفیت کو خوب سمجھ رہی تھیں اس لیے ضرورت سے زیادہ مستعدی دکھائی اور انیلا کے سسرالی عزیزوں میں سے کسی کی لڑکی پسند کر کے منیبہ کے نکاح سے ایک ہفتہ قبل اس کی منگنی کر ڈالی اور ساتھ ہی ضرورت سے زیادہ روشن خیالی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ انتظام بھی کر ڈالا کہ عادل کی اپنی منگیتر سے گفت و شنید اور ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ان کے خیال میں اس طرح عادل کو منیبہ کا غم بھول کر جلد بہلنے میں مدد ملتی۔ تین چار ماہ بعد ویسے بھی

شادی ہونی ہی تھی اس لیے اتنی آزادی دینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ ان کی یہ تدبیر خاصی کارگر رہی۔ عادل واقعی بہلنے لگا اور اس نے خود پر جو قنوطیت سی طاری کر لی تھی وہ بھی دور ہوتی محسوس ہونے لگی۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ منیبہ اپنے شوہر کے گھر رخصت ہو چکی تھی اور اب ایسی کوئی آس نہیں رہی تھی کہ وہ اسے پا سکے گا اس لیے وہ حالات کے ساتھ خود کو ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عابدہ بیگم خاموشی سے ان تبدیلیوں کو دیکھتی کافی مطمئن ہو چکی تھیں اور پوری تندہی سے بیٹے اور بیٹی کی شادی کی تیاریاں کرنے میں مصروف تھیں لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ ایک بہت بڑا حادثہ ان کا منتظر ہے جس کے بعد ان کا سارا اطمینان رخصت ہو جائے گا۔

☆☆☆

وہ ایک معمول کا دن تھا۔ خلیل صاحب اپنی دکان اور عادل آفس میں تھا۔ انیلا گھر کی صفائی ستھرائی میں مصروف تھی جبکہ عابدہ بیگم جلدی جلدی رات کا کھانا تیار کرنے کی کوشش میں تھیں۔ انہیں کپڑوں اور زیورات کی خریداری کے سلسلے میں بازار جانا تھا اس لیے چاہتی تھیں کہ گھر کا کام جلد از جلد نمٹ جائے تاکہ بعد میں وہ بے فکری سے خریداری کر سکیں۔ انیلا کو اپنے رنگ روپ کی بہت فکر رہتی تھی اس لیے وہ لوگ دوپہر کے بجائے شام کے وقت خریداری کے لیے نکلتے تھے اور واپس گھر آتے آتے رات ہو جاتی تھی اس لیے ضروری تھا کہ جانے سے پہلے رات کا کھانا تیار کر کے جائیں کیونکہ واپس آنے کے بعد تو اتنی تھکن ہو جاتی تھی کہ کچھ کرنے کی ہمت ہی نہیں رہتی۔ دوسرے کھانا تیار ہونے کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ اگر انہیں زیادہ دیر ہو جاتی تو خلیل صاحب اور عادل ان کے انتظار کی زحمت کیے بغیر خود ہی کھانا کھا لیتے تھے۔

''انیلا تمہیں آواز نہیں آرہی کب سے فون کی گھنٹی بجے جارہی ہے۔'' کانوں پر ہیڈ فون چڑھائے اپنے کام میں مگن انیلا کے سر پر آکر عابدہ بیگم چلائیں...... جو فون کی آواز سن کر آٹا گوندھتے گوندھتے کچن سے آئی تھیں تو اسے ہوش آیا۔ اسے گھر کو صاف ستھرا رکھنے کا خبط تھا اور اس چکر میں وقت بے وقت ہیڈ فون لگا کر گانے سنتے ہوئے صفائی میں مصروف رہتی تھی۔ عابدہ بیگم نے خفگی کا اظہار کیا وہ ہیڈ فون ایک طرف ڈال کر فون کی طرف لپکی۔ ریسیور اٹھانے پر دوسری طرف سے جانے کیا خبر سنائی گئی کہ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''کیا ہوا...... کس کا فون ہے؟'' اس کے تاثرات دیکھ کر عابدہ بیگم کا ماتھا ٹھنکا۔

''امی ...... چھوٹے ماموں کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔'' اس نے لرزتی آواز میں ماں کو خبر سنائی۔

''یا اللہ خیر...... کہاں چوٹیں آئی ہیں۔ وہ ہے کس اسپتال میں؟ اپنے ابو کو فون کرو ہم ابھی اسے دیکھنے چلتے ہیں۔'' وہ انیلا سے کہہ کر جیسے تیسے ہاتھ دھو کر دوبارہ فون کے پاس آئیں۔ انہیں اپنا چھوٹا بھائی دل و جان سے عزیز تھا اور وہ اس کے ایکسیڈنٹ کی خبر

سن کر بھی کوئی انتہائی بات سوچنے کی ہمت نہیں کر سکی تھیں اس لیے دل کی منتشر ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے انیلا کو ہدایات دینے لگیں۔

''ماموں اسپتال میں نہیں ہیں امی' وہ چلے گئے...... ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔'' وہ دہاڑیں مار کر روتے ہوئے ان سے لپٹ گئی پھر تو جیسے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے ان کی دل دوز چیخیں اور رونے کی آوازیں سن کر پاس پڑوس والے دوڑے آئے۔ صورتِ حال جاننے پر سب نے اپنے طور پر انہیں دلاسا دینے کی کوشش کی لیکن دکھ ایسا تھا کہ انہیں اپنے ہوش وحواس قائم رکھنا مشکل لگ رہا تھا۔ محلے والوں میں سے ہی کسی نے خلیل صاحب کو ان کی دکان سے بلوایا اور وہ لوگ عجلت میں گھر سے روانہ ہوگئے۔ جوان بھائی جس کی شادی کو ابھی چھ سات سال ہی گزرے تھے جو دو چھوٹے چھوٹے بچوں کا باپ تھا سفید کفن میں لپٹا چارپائی پر لیٹا تھا۔ ایسی جوان موت پر غیروں کی آنکھیں بھی اشک بار تھیں۔ وہ کیسے گودوں کھلائے ماں جائے کو اس حال میں دیکھ کر اپنی سُدھ بُدھ نہ کھوتیں۔ کس کس نے غم بانٹا، کس نے تسلی دی، کب جنازہ اٹھا انہیں تو کچھ ہوش ہی نہیں رہا۔ انیلا بھی پیارے ماموں کی ناگہانی موت پر غم سے نڈھال تھی اس پر سے ماں کی حالت نے اسے بوکھلا دیا تھا۔ وہ دوسرے عزیزوں کے ساتھ حواس باختہ سی انہیں سنبھالنے کی سعی کر رہی تھی۔ عادل جسے دفتر میں ہی فون پر اس حادثے کی اطلاع دے دی گئی تھی۔ وہیں چلا آیا تھا ماں کو تسلی تشفی دیتا رہا۔ بعد نماز عشا ماموں کی نمازِ جنازہ پڑھائی گئی اور پھر انہیں ان کی آخری آرام گاہ تک پہنچا دیا گیا۔ ابھی تدفین کا مرحلہ طے ہی ہوا تھا کہ عادل کے موبائل فون پر اس کے ایک پڑوسی لڑکے کی کال آگئی۔

''عادل بھائی! آپ جلدی سے یہاں پہنچیں، آپ کے فلیٹ میں پتا نہیں کیا مسئلہ ہے، ایسا لگ رہا ہے کہ آگ لگ گئی ہے۔ بری طرح جلنے کی بو آرہی ہے اور دھواں باہر آرہا ہے۔ شاید آنٹی لوگ جلدی میں یہاں سے جاتے ہوئے چولھا بند کرنا بھول گئی تھیں۔'' لڑکے نے اطلاع دی تو عادل عجلت میں گھر کے لیے روانہ ہوگیا۔ اسے پڑوسی لڑکے کا اندازہ درست لگ رہا تھا کہ جس وقت ماموں کے انتقال کی خبر آئی ہوگی چولھے پر کچھ پک رہا ہوگا۔ خبر سننے کے بعد گھبراہٹ اور پریشانی میں کسی کو یہ یاد نہیں رہا ہوگا کہ چولھا جل رہا ہے اور اس جلتے چولھے نے اپنا کام دکھانا شروع کر دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ بہت زیادہ نقصان ہو جاتا وہ جلد سے جلد گھر پہنچ جانے کی کوشش میں تھا اور عادت کے برخلاف بہت تیز رفتاری سے بائیک دوڑا رہا تھا۔ ماموں کے کفن دفن کی مصروفیت میں اسے یہ بھی نہیں معلوم ہوسکا تھا کہ گھر جانے کے لیے اسے جس راستے سے گزرنا ہے وہاں دہشت گردی کی فائرنگ کی وجہ سے حالات کشیدہ ہیں۔ پبلک ٹرانسپورٹ غائب دیکھ کر بھی اسے دھیان نہیں آیا۔ اصل میں وہ خود بھی اپنے چھوٹے ماموں سے بہت زیادہ اٹیچڈ تھا۔ عمروں میں بہت زیادہ تفاوت نہ ہونے کی وجہ سے ان کی آپس میں خاصی دوستی تھی اس لیے ان کی اچانک موت نے اسے بھی گہرے صدمے سے دوچار کیا تھا اور دیکھا جائے تو اس کے اپنے حواس بھی پوری طرح کام نہیں کر رہے تھے اس لیے وہ راستے میں کہیں کھڑے پولیس والوں کا ٹارچ سے کیا گیا اشارہ بھی نہیں دیکھ سکا اور بائیک کو اسی رفتار سے دوڑاتا رہا لیکن اس کے نصیب میں مزید آگے جانے کے بجائے دوسری دنیا میں جانا لکھا تھا۔ اس نے بائیک نہیں روکی تو پولیس والوں نے اسے دہشت گرد جان کر فائر کھول دیا۔ کئی گولیاں اس کی پشت پر لگیں اور وہ پوری رفتار سے دوڑتی بائیک سے گرا تو پھر دوبارہ نہ اٹھ سکا۔

☆☆☆

عادل کی موت اس کی ذرا سی غلطی اور پولیس

والوں کی عجلت کی وجہ سے ہوئی تھی۔ وہ چاہتے تو اس پر ڈائریکٹ فائر کھولنے کے بجائے اس کا تعاقب کر کے اسے زندہ گرفتار کرنے کی کوشش بھی کر سکتے تھے یا فائر کرنا ہی تھا تو اس کی بائیک کے پہیے کو نشانہ بناتے لیکن انہوں نے جو کرنا تھا کر گزرے اور کمال تو یہ تھا کہ بعد میں حقائق سامنے آنے پر بھی انہوں نے اپنی غلطی تسلیم نہیں کی اور عادل کے پاس سے جانے کہاں سے اسلحہ اور دھماکا خیز مواد برآمد کر کے اسے دہشت گرد ثابت کر دیا یہاں تک کہ اس کا بدنام زمانہ دہشت گرد تنظیم سے تعلق بھی جوڑ ڈالا...... عادل کے اہلِ خاندان نے میڈیا کے ذریعے اس ساری کہانی کو جھوٹ کا پلندا ثابت کرنے کی اپنی سی کوشش کی لیکن ان کی یہ کوشش نقار خانے میں طوطی کی آواز ثابت ہوئی۔ ویسے بھی حالات اتنے مخدوش تھے کہ ظلم و زیادتی کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو اپنی گردن بچانا بھی مشکل ہو جاتا تھا۔ اس لیے قریبی جاننے والوں کے علاوہ کسی کو عادل پر لگے جھوٹے الزامات کی حقیقت کا علم نہ ہو سکا۔ اس حادثے نے خلیل صاحب کے شانے جھکا ڈالے۔ انیلا کے ہونٹوں پر خاموشی کا قفل لگ گیا جبکہ عابدہ بیگم کا تو وہ حال ہوا کہ وہ نہ زندوں میں رہیں نہ مردوں میں...... عادل کی موت کی خبر ان کے حواس پر بجلی بن کر گری اور انہیں اتنا زبردست ہارٹ اٹیک ہوا کہ وہ مہینہ بھر تو اسپتال سے واپس ہی نہ آسکیں۔ واپس آئیں تو بس ایسی حالت میں کہ گویا ان کے نحیف جسم میں سانسیں ڈال کر انہیں بیٹے کی سزا دے دی گئی ہو۔

غم کے ان لمحات میں ان کے پڑوسیوں نے ہی بڑھ چڑھ کر دل جوئی کی۔ یہ پڑوسی ہی تھے جنہوں نے فون کرنے کے باوجود عادل کے آنے میں تاخیر ہوتی دیکھی تو گھر کا دروازہ توڑ کر وہاں لگی آگ بجھائی ورنہ شاید وہ بیٹے کے ساتھ ساتھ تنکا تنکا جوڑ کر بنائے گئے آشیانے سے بھی محروم ہو چکی ہوتیں۔ طیبہ والے واقعے کے بعد خود کو گھر تک محدود کر لینے والی رقیہ نے بھی اس موقع پر ان کا بھرپور ساتھ دیا اور نہ صرف خود مزاج پرسی کے لیے آتی رہیں بلکہ عابدہ بیگم کے گھر کے کام کاج نمٹانے کے لیے اریبہ کو بھی باقاعدگی سے وہاں بھیجتی رہیں۔ ان حالات میں انیلا کے سسرالیوں کا رویہ البتہ بہت عجیب تھا۔ وہ لوگ صرف عادل کی میت میں شرکت کے لیے آئے تھے اس کے بعد نہ تو انہوں نے اسپتال جا کر عابدہ بیگم کی عیادت کرنا ضروری سمجھا اور نہ ہی فون پر مزاج پرسی کی...... عابدہ بیگم کو تو خیر اتنا ہوش ہی نہیں تھا کہ البتہ خلیل صاحب کو ہی خیال آیا کہ بیٹی کے متوقع سسرالیوں کے اس رویے کی جانچ پڑتال کی جائے۔ ان کے احساس دلانے پر عابدہ بیگم کے اسپتال سے گھر واپس آنے کے پندرہ دن بعد ان لوگوں کو کھانے پر گھر آنے کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے کھانے کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن عندیہ دیا کہ شام کے وقت انیلا کی ساس اور سسر ملاقات کے لیے آئیں گے۔ انیلا نے ماں کے کہنے پر اریبہ کے ساتھ مل کر چائے کے ساتھ کئی لوازمات تیار کر لیے۔ بھائی کی موت نے اس کے مزاج کی ساری شوخی چھین لی تھی اور پہلے کی طرح وہ گھر کے معاملات میں شوق سے دلچسپی نہیں لیتی تھی۔ خلیل صاحب کا خیال تھا کہ اس کی سسرال والوں سے بات کر کے اسے مقررہ وقت پر رخصت کر دیں تاکہ کم از کم وہ تو اس جمود سے نکلے۔ وہ اپنے گھر میں ہنسی خوشی رہتی تو شاید ان میاں بیوی کو بھی کچھ سکون ملتا ورنہ عادل کے بعد تو ان کے اندر سے زندہ رہنے کی خواہش ہی مر گئی تھی لیکن انیلا کے ساس سسر آئے تو ان کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ ان میاں، بیوی کی خوش دلی کے مقابلے میں وہ دونوں بہت سرد مہری سے ملے اور انیلا کی بہت اہتمام سے سرو کی گئی چائے کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

''معاف کیجیے گا بھائی صاحب! اب ہم آپ

کی بیٹی سے یہ رشتہ قائم رکھنے میں انٹرسٹڈ نہیں ہیں۔ ہم یہ بات آپ کو پہلے ہی بتا دیتے لیکن یہ سوچ کر چپ رہے کہ آپ لوگ اتنے بڑے صدمے سے گزر رہے ہیں۔ ذرا سنبھل جائیں تو آپ کو بتایا جائے۔'' چائے اور دیگر لوازمات کے لیے ان کے بے پناہ اصرار کو نظر انداز کرتے ہوئے لڑکے کی والدہ مسز راشدی نے یہ بات کہی... تو عابدہ بیگم اور خلیل صاحب کی سماعتوں پر بم آگرا۔

''لیکن کیوں بہن جی! ہم سے ایسی کیا غلطی ہو گئی؟'' آخر کار خلیل صاحب نے ہی ہمت کر کے ان سے پوچھا۔

''بات کسی کی غلطی کی نہیں بلکہ حالات کی ہے۔ جن حالات میں آپ کے بیٹے کی موت ہوئی ہے...... ہمارے لیے ممکن نہیں رہا ہے کہ آپ کی بیٹی کو بیاہ کر اپنے گھر لے جا سکیں۔ ہم عزت دار لوگ ہیں اور ایسی لڑکی کو بہو نہیں بنا سکتے جس کے بھائی پر دہشت گردی کا الزام ہو۔'' انہوں نے گلا کھنکھارتے ہوئے نہایت صاف گوئی سے وجہ بتائی۔

''لیکن آپ لوگ جانتے ہیں کہ وہ الزام غلط تھا۔ میرے بیٹے پر ظلم ہوا تھا اور وہ صرف غلط فہمی کی وجہ سے مارا گیا۔'' خلیل صاحب نے تڑپ کر صفائی پیش کی۔

''یہ تو آپ کہہ رہے ہیں ناں، شاید آپ کی بات صحیح بھی ہو لیکن ساری دنیا یہی جانتی ہے کہ وہ ایک دہشت گرد تھا اور ظاہر ہے ہمیں دنیا والوں کے ساتھ ہی رہنا ہے، اس لیے ان کا خیال تو کرنا ہی پڑے گا ورنہ آگے ہمیں اپنی بیٹیاں بیاہتے ہوئے مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔'' مسز راشدی کے جملے عابدہ بیگم کے دماغ پر ہتھوڑے سے لگتی ضربوں کی طرح لگے۔ یہی کچھ تو انہوں نے بھی اس وقت کہا تھا جب عادل نے ان سے منیبہ کے لیے خواہش ظاہر کی تھی۔ انہوں نے بھی تو منیبہ جیسی اچھی لڑکی کو صرف اس لیے ٹھکرا دیا تھا کہ اس کا بھائی نشے کے باعث مر گیا تھا اور بہن پڑوسی سے معاشقہ کرتے ہوئے پکڑی گئی تھی۔ اگر وہ منیبہ کو کوئی قصور نہ ہوتے ہوئے رد کر سکتی تھیں تو مسز راشدی انیلا کو ٹھکرانے میں حق بجانب کیوں نہیں تھیں۔

''پلیز راشدی صاحب! آپ ہی اپنی بیگم کو سمجھائیں، میرا بیٹا بے قصور تھا اور اگر فرض کیا کہ اس کی کوئی غلطی تھی بھی تو اس کے جرم کی سزا میری بے گناہ معصوم بیٹی کو تو نہیں ملنی چاہیے۔'' خلیل صاحب اب راشدی صاحب کے سامنے گڑگڑا رہے تھے۔ اب تک خاموش بیٹھی عابدہ بیگم کو ان کی آواز کہیں بہت دور پاتال سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔

''مجھے افسوس ہے خلیل صاحب...... لیکن ہم لوگوں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اور گھر میں باہم سب سے مشورہ کر کے ہی یہاں آئے ہیں۔ اللہ کرے کہ آپ کی بیٹی کو کوئی دوسرا بہت اچھا رشتہ مل جائے ہماری طرف سے البتہ صاف انکار ہے۔'' وہ دونوں میاں، بیوی فیصلے کی تلوار چلا کر چلے گئے۔ خلیل صاحب اس ظلم پر یوں پھوٹ پھوٹ کر روئے کہ شاید جوان بیٹے کی موت پر بھی ایسا نہیں روئے ہوں لیکن عابدہ بیگم کی آنکھوں سے ایک آنسو بھی نہیں ٹپکا۔ وہ رونے کے لائق تھیں ہی نہیں۔ ان کے ذہن میں تو منیبہ اور انیلا کے چہرے گڈمڈ ہو رہے تھے۔ انہیں یاد آرہا تھا کہ کیسے منیبہ لاش کی طرح لٹھے جیسا سفید چہرہ لیے اس ادھیڑ عمر آدمی کے ساتھ ماں کے گھر سے رخصت ہوئی تھی شاید ایسا ہی انیلا کے ساتھ ہونے والا تھا لیکن وہ کہاں جا کر دہائی دیتیں کہ یہ منصفانہ فیصلہ تو یقیناً اوپر کہیں آسمانوں میں ہوا تھا۔ قدرت انسان سے کبھی اس طرح بھی تو انتقام لیتی ہے کہ اس کے کیے گئے گناہ کی سزا اس کی اولاد کو دے کر اسے ساری زندگی کے لیے عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ عابدہ بیگم بھی اس عذاب میں مبتلا کر دی گئی تھیں۔